

Dil Ki Lagi

[گاؤں کی زندگی اگر سادہ ہے تو اس میں عزت اور شرافت کے ساتھ زندگی گزرنے کے اصول بھی بڑے سخت ہیں۔ جو کہانی میں آج آپ کو سنا رہی ہوں اس میں میرے بھائی کی کوئی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنی جن بچا کر بھاگتا پڑا۔ ہمارے پڑوسی کی بیوی کا نام تو ثوبہ تھا لیکن اس کو صوبی کہتے تھے۔ ماسی صوبی بڑی تند مزاج عورت تھی کسی سے خار کہا جاتی تو جھاڑ کے کانوں کی طرح پیچھے پڑ جاتی تھی۔ اس کی زبان گندی اور گڑ بھر لمبی تھی۔ غرض سارا گاؤں اس سے پناہ مانگتا تھا۔ حبیب میرا اکلوتا بھائی تھا، ان دنوں اس کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ اس نے گاؤں کے اسکول سے آٹھ جماعتیں پاس کر لیں تو بے کار پھر نہ لگا۔ والد صاحب نے امی سے کہا کہ سلیم کی پڑھائی کا سلسلہ تو ختم ہوا، اس کو سمجھاؤ کہ روز مرہ کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹایا کرے، ان کا مطلب تھا کہ سلیم اپنے مال مویشی روزانہ چرانے لے جائے، جبکہ میرے بھائی کو یہ منظور نہ تھا۔ آٹھ جماعتیں پڑھ کر وہ خود کو جانے کیا سمجھنے لگا تھا کہ مال مویشی لے چرانے لے جانا اپنی تو بین گردانتا تھا۔ کچھ عرصہ والد صاحب اسے کھیتی باڑی کے کاموں کی طرف راغب کرتے رہے جب سلیم نے ایسے کسی کام میں دلچسپی نہ لی جس سے اس کے اگلے کپڑوں پر مٹی لگ جائے تو ابو نے ایک دوست سے کہہ کر اسے پلمبری کا کام سیکھنے پر لگا دیا۔ سلیم چھ ماہ تک یہ کام سیکھنے شہر جاتا رہا۔ اس دوران اس کے استاد نے ابو سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں حبیب کو دینی بھجوا سکتا ہوں، ذرا کام میں مہارت درکار ہوگی۔ ایک سال اسے میرے پاس رہنے دو۔ انشاء اللہ یہ بہت اچھا پلمبر بن جائے گا۔ سلیم چھ دن شہر میں اپنے استاد کے ڈیرے پر ہوتا۔ صرف جمعہ کی چھٹی کر کے وہ گاؤں آ جاتا تھا۔ اس روز بھی جمعہ تھا۔ ابو نماز پڑھنے مسجد چلے گئے۔ سلیم کو تلقین کی کہ تم جلد کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے مسجد آ جاؤ۔ سلیم نے نہا دھو کر اگلے کپڑے پہن لئے اور جمعہ کی نماز میں شامل ہونے کے لئے گھر سے نکل گیا۔ مسجد والے راستے میں ماسی صوبی کا مکان تھا۔ جنوبی بھائی ادھر سے گزرا ماسی کی بیٹی کو دیکھا۔ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی جھانک رہی تھی۔ صبور کی عمر سولہ برس تھی اور وہ اچھی شکل و صورت کی دوسیزہ تھی۔ اس نے بھی گاؤں کے اسکول سے چار جماعتیں پڑھی تھیں، کبھی وہ سلیم کی ہم جماعت رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے کہ بچپن ساتھ گزرا تھا۔ بچپن کی شناسائی کی وجہ سے وہ دوڑ کر میرے بھائی کی طرف آئی اور اس سے ہم کلام ہو گئی۔ پوچھنے لگی سلیم اب تم کیسے ہو اور کہاں ہوتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں۔ تم سے کیا سروکار تم گھر کے اندر جاؤ۔ اگر تمہاری ماں یا کسی رشتے دار نے تم کو باتیں کرتے دیکھ لیا تو وہ برا منائیں گے۔ کیوں برا منائیں گے۔ کیا ہم نے کسی کی چوری کی ہے؟ تم کو قسم ہے سچ بتاؤ کہ تم کہاں ہوتے ہو۔ میں شہر میں کام سیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد کیا واپس گاؤں آ جاؤ گے۔ نہیں دینی چلا جاؤں گا۔ دینی گاؤں والوں کے لئے بڑے اعزاز کی علامت تھا۔ گاؤں سے اکثر بے روزگار لوگ دینی یا پھر سعودی عرب بے جاتے تھے۔ وہ وہاں محنت مزدوری کرتے لیکن جب لوٹتے، اپنے گھر والوں کے لئے انواع و اقسام کے تحفے لاتے اور وہاں کی کمائی سے اپنے مالی حالات سدھارتے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ صبور کا انٹیڈیل بھی ایک ایسا ہی نوجوان تھا جو دینی یا سعودی عربیہ میں کام کرتا ہوا اور ریالوں میں تنخواہ لیتا ہو اور جب وہ واپس آئے تو اس کا سوٹ کیس تحفوں سے بھرا ہو۔ اس نے فوراً سلیم کو اپنا انٹیڈیل بنالیا جو مستقبل میں دینی کو پرواز کرنے والا تھا۔ اب بھانے بھانے سے یہ لڑکی ہمارے گھر کے چکر لگانے لگی، خاص طور پر جمعہ کے دن جب سلیم شہر سے آیا ہوتا۔ میں اس کی بے تابی سمجھ چکی تھی۔ لیکن اسے بے اس نہیں کرتی تھی۔ وہ جب آتی میں پیار سے بات کرتی اور اس کی خاطر مدارات کبھی شربت اور کبھی میٹھے چاولوں سے کرتی۔ وہ مجھ سے بہت خوش ہو کر ملتی تھی۔ گرچہ ساری توجہ اس کی سلیم کی طرف رہتی تھی مگر میرا بھائی لحاظ والا تھا، وہ شریف طبع تھا۔ گاؤں کی لڑکیوں سے دور دور رہتا۔ کوئی خود بات کرتی تو بس سلام دعا کی حد تک کلام کر کے چلا جاتا۔ یہ بات سب کو پتا تھی کہ سلیم ایسا نہیں ہے لیکن جب سے صبور ہمارے گھر کے چکر لگانے لگی تھی اس کی ماں کو شک ہو گیا، ضرور اس کی بیٹی کا سلیم سے کچھ معاملہ ہے کیونکہ ہر جمعہ کو سلیم جب نماز پڑھنے نکلتا تو صبور اپنے دروازے پر کھڑی ملتی اور اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ اخلاق کے مارے اس کے ایک ادھ سوال کا جواب دے دیتا اور آگے بڑھ جاتا۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا۔ جب میرا بھائی ماسی صوبی کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو وہ منتظر لڑکی کی دوڑ کر اس کی جانب آئی آج اس کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا جو اس نے کیاری سے توڑا تھا وہ اس نے آنا فانا سلیم کے ہاتھ میں تھا کر کہا۔ لو اسے سونگھو کتنی پیاری خوشبو ہے۔ ابھی یہ بات ہوئی تھی کہ سامنے سے صوبی ماسی کے بھائی اور شوہر نمودار ہوئے۔ انہوں نے جو اپنی بیٹی کے قریب سلیم کو دیکھا تو غضب ناک ہو کر اسے لکارا.... اوئے لڑکے تو یہاں ہمارے گھر کے سامنے کیوں کھڑا ہے۔ ان کی لکار سن کر سلیم ڈر گیا اور جو پھول صبور نے اسے دیا تھا وہ اس نے زمین پر پھینک دیا اور خود دوڑتا ہوا گھر کولوٹ آیا۔ ان مردوں نے زمین سے پھول اٹھا لیا اور لڑکی سے سوال کیا کہ یہ پھول سلیم نے تمہیں دیا تھا وہ بولی ہاں وہ دینا چاہتا تھا لیکن آپ لوگوں کی آواز سن کر اس نے پھول پھینک دیا اور وہ بھاگ گیا۔ لڑکی نے اپنا کیا میرے بھائی پر ڈال دیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان بچالی مگر یہ ان پڑھ گنوار لوگ میرے بھائی کے پیچھے پڑ گئے۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ سلیم اگر ان کو نظر آیا تو وہ اس کو گولی مار دیں گے۔ انہوں نے میرے والد صاحب کو بھی بلا کر دھمکیاں دیں کہ اپنے بیٹے کی شکل یہاں سے گم کرو۔ ورنہ تمہاری ہماری دشمنی نسلوں تک چلے گی، والد صاحب گھبرا گئے، سلیم ان کا اکلوتا بیٹا تھا وہ کسی صورت اسے کھونا نہ چاہتے تھے لہذا انہوں نے استاد ہی سے بات کی اس نے کہا آپ فکر نہ کریں، اس نے کافی کام سیکھ لیا ہے، میں اس کو اپنے دوست کے پاس دینی بھجوا دیتا ہوں۔ سلیم دینی چلا گیا، میں اپنے بھائی کے لئے اداس رہنے لگی۔ امی بھی رات دن اس کی خیر و عافیت کی دعائیں کرتی تھیں کہ خدا کرے میرا بیٹا پردیس میں خیریت سے ہو۔ وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ تین سال گزر گئے۔ سلیم نے دینی میں اچھا خاصا کمالیا وہ ہر ماہ امی ابو کو پیسے بھجواتا رہا۔ اس رقم سے والد صاحب نے اپنا کچا مکان پکا کر والیا اور ہمارے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے۔ امی کا خیال تھا جب میرا بیٹا لوٹے گا تو اس کا سہرا سجانے کا اہتمام کروں گی، اس غرض سے انہوں نے اپنی بہن خالہ شازبہ سے بات کر لی تھی جن کی بیٹی سے امی سلیم کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ انتظار کی گھڑیاں طویل سہی پر ختم ہو جاتی ہیں۔ آخر وہ دن آ گیا جس دن کے ہم سب منتظر تھے۔ سلیم کا دینی سے فون آیا کہ وہ فلاں دن گھر پہنچ رہا ہے۔ امی خوشی سے نہال تھیں۔ میں بھی پھولی نہ سماتی تھی کہ اتنے عرصے بعد میرا بھائی مالدار ہو کر لوٹ رہا تھا۔ ہم غریبوں کے لئے زندگی کی تھوڑی سی آسائشیں ہی مالدار ہونے کا احساس بخش دیتی ہیں۔ سلیم کے لوٹ آنے کی

میرے والدین نے خوشی میں والدہ نے میٹھے چاول بنا کر مسجد میں تقسیم کرائے اور پاس پڑوس میں بھی بھجوائے۔ سمجھا کہ گلاب کے پھول والا قصہ پرانا ہو چکا ہے۔ لہذا انہوں نے ماسی صوبی کے یہاں بھی میٹھے چاولوں کی پلیٹ بھجوا دی۔ انہوں نے چاول لے لئے، اور شام کو ماسی خود طشتری لوٹائے، انیس، مبارک باد بھی دی کہ سلیم خیر سے لوٹ آیا تھا۔ جب صبور کو خبر ہوئی کہ میرا بھائی اچکا ہے تو وہ کسی طرح اس کے دیدار کو تڑپنے لگی۔ کسی بھانے سے ہمارے گھرا گئی، تب میں اس کی جرأت پر حیران ہوئی، میں نے کہا تم کو نہیں آنا چاہئے تھا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ جو دشمنی مردوں میں تمہاری وجہ سے ہوتے ہوئے رہ گئی تھی۔ وہ قصہ دوبارہ جوان ہو جائے، خدارا اب تم ہمارے گھر سے دور ہو۔ تمہاری وجہ سے خون خرابہ نہ ہو جائے۔ اس نے میری بات کا برا مانا۔ بولی ٹھیک ہے آج آئی ہوں دوبارہ نہ آؤں گی۔ ہاں تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ میں اپنے اکلوتے بھائی کے پیچھے بندوق اور گولی کا کوئی واقعہ نمودار ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ سلیم گھر پر نہیں تھا۔ وہ منہ بسور کر چلی گئی۔ اس کے ذہن سے میرے بھائی کا خیال چپک گیا تھا، شاید اسے اپنے دل پر قابو نہ تھا۔ وہ پھر سے پہلے کی طرح سلیم کی منتظر رہنے لگی تھی۔ بار بار اپنے دروازے سے جھانکتی، شاید وہ ادھر سے گزرتے ہوئے نظر آجائے۔ جب کوئی کسی کی اتنی زیادہ جستجو کرتا ہے تو اس کی تمنا بر آتی ہے۔ ایک روز مغرب کے وقت سلیم اپنے کسی دوست سے مل کر گھر آ رہا تھا جونہی وہ ماسی صوبی کے گھر کے آگے سے گزرا۔ اس وقت صبور چھلا وے کی طرح دروازے سے باہر آ گئی۔ جانے وہ کب سے منتظر کھڑی تھی یا پھر یہ اتفاق تھا۔ بہر حال اس نے سلیم کو دیکھا تو بے اختیار اسے پکار لیا۔ سلیم نہ رکا لیکن ماسی صوبی نے بیٹی کی آواز سن لی اور وہ گھر سے نکل کر دروازے سے باہر آ گئی۔ سلیم آگے بڑھ گیا تھا لیکن بے قرار بیٹی اس کے ہاتھ آ گئی۔ ماسی صوبی نے جوتا اتار کر لڑکی کو مارنا شروع کیا اسے مارتی ہوئی اندر لے گئی۔ بولی بد بخت کس کس کی موت کو آواز دینا چاہتی ہے۔ خود تو مرے گی ہی۔ اس روز پانی لگانے کی باری صبور کے باپ اور بھائی کی تھی یہ دونوں گھر سے کافی دور اپنے زمیندار کے کھیتوں کو سیراب کرنے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے تین روز بعد گھر لوٹنا تھا۔ صبور کے لئے یہ بے خوفی اور آزادی کے دن تھے۔ لیکن ماں نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور اس کو کمرے میں بند کر دیا۔ بدقسمتی سے جس کمرے میں وہ بند تھی۔ اس کی دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی جو ان کے گھر کے عقبی طرف کھلتی تھی۔ اس طرف میدان تھا جہاں گاؤں کے لڑکے کبھی کبڈی اور کرکٹ کھیلتے تھے۔ اس روز ان کا کرکٹ میچ تھا دولڑ کے ہمارے دروازے پر آئے اور میرے بھائی کو خاص طور پر اپنا میچ دیکھنے کے لئے مدعو کر گئے۔ وہ پرانے دوستوں کے اصرار کی وجہ سے میچ دیکھنے چلا گیا۔ میچ ختم ہو گیا اور لڑ کے میدان سے چلے گئے تو سلیم بھی گھر کی طرف آنے لگا۔ تبھی اس کو کسی نے آواز دی سلیم سلیم ادھر دیکھو اس طرف آجاؤ۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا سامنے کھڑکی کا پٹ نیم وا تھا اور صبور اس میں سے جھانک رہی تھی۔ بھائی ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہ آسکا تھا کہ کون اس کو پکار رہا ہے، تبھی وہ لڑکی کھڑکی کے اندر کی زنجیر کھولنے میں کامیاب ہو گئی اور آنا فانا کود کر باہر نکل آئی۔ ماسی صوبی اپنے کمرے میں سو رہی تھی، وہ شوگر کی مریض تھی اور کافی موٹی تھی تھوڑا سا کام کاج کر کے تھک جاتی تھی۔ وہ تو گھر کو تالا لگا کر اطمینان سے سوئی تھی کہ اب بیٹی باہر نہ جا سکے گی مگر پاگل صبور میرے بھائی کی محبت میں عاقبت نا اندیش ہو چکی تھی اس نے کچھ نہ سوچا دوڑ کر سلیم کی طرف آ گئی۔ اس کو یوں یکا یک سامنے دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ اس نے کہا واپس گھر لوٹ جاؤ اس سے پہلے کہ کوئی تم کو یہاں میرے ساتھ میدان میں دیکھ لے۔ آبا اور بھائی کھیتوں میں پانی لگانے گئے ہیں۔ کس کا ڈر ہے ماں سوچکی ہے۔ تم دو گھڑی بات کرلو۔ پھر ایسا موقع نہیں ملے گا تم کو خدا کا واسطہ میں تمہارے لئے بہت بے چین ہوں۔ ایک لمحے کو بات سن لو۔ تین سالوں سے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ سلیم کو اس لڑکی سے محبت نہ تھی، مگر اس کے والہانہ انداز کی وجہ سے وہ مزید گھبرا گیا کہ کہیں پاگل پن میں یہ کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے اور اس کو بڑی مصیبت میں ڈال دے۔ میں تم سے کسی محفوظ جگہ پر ملوں گا لیکن اب تم جاؤ خدا کے لئے۔ یہ کھلا میدان ہے پاس پڑوس والوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو بے پر کا کوا بن جائے گا اور تمہارے رشتے دار کلہاڑیاں لے کر میرے سر پر پہنچ جائیں گے۔ جس بات کا ڈر زیادہ ہو وہ ہو بھی جاتی ہے۔ جب سلیم یہ بات کہہ رہا تھا اسی وقت ماسی صوبی کی ایک پڑوسن ادھر آنکلی وہ اس طرف اپنی بکری تلاش کرتی آ گئی تھی، اس نے جوان کو بات کرنے دیکھا توششدر رہ گئی، 'اڑکی تم دن دھاڑے اس کے ساتھ عشق معشوقی میں مشغول ہو۔ تم کو اپنے باپ اور بھائی کی عزت کا بھی پاس نہیں ہے۔ ٹھہرو میں ابھی جا کر بتاتی ہوں تمہاری ماں کو پہلے بھی یہ قصہ سارے گاؤں میں مشہور ہوا تھا اور اب پھر تم لوگ اس رستے پر چل رہے ہو جانتی ہو اس محبت کا انجام؟ وہ عورت اپنی کمشدہ بکری بھلا کر ایک نئے کام میں مشغول ہو گئی۔ سلیم پریشان حال گھر آ گیا، اس نے منت بھی کی کہ خالہ خدا کے لئے کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میں نے صبور کو نہیں بلایا۔ یہ خود آئی تھی لیکن وہ پیٹ کی ہلکی تھی، اس نے ساری بستی میں یہ بات پھیلا دی کہ سلیم صبور کو دن دھاڑے بھاگ کر لے جا رہا تھا۔ وہ تو میں سر پر پہنچ گئی ورنہ، آج یہ دونوں بستی سے غائب ہو چکے تھے۔ ماسی صوبی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ جانتی تھی یہ خبر اس کے شوہر اور بیٹوں کو ضرور ملے گی اس کے بعد کا منظر وہ تصور نہ کر سکتی تھی۔ تبھی انے والی قیامت سے بچنے کے لئے وہ ہمارے گھر آئی اور سلیم کو ایک طرف کونے میں لے جا کر بولی۔ آج رات عشاء کے بعد میرے گھر آنا تم سے ایک بات کرنی ہے۔ سلیم پاگل نہ تھا کہ اس چلتے باز کے جھانسنے میں آجاتا۔ اس نے عافیت اسی میں جانی کہ وہ اسی وقت اپنے ماموں سے ملنے کے بہانے ساتھ والے گاؤں چلا گیا۔ ماسی صوبی نے گھر کے دروازے پر چار پائی بچھالی۔ اب وہ اس انتظار میں تھی کہ کب سلیم ادھر سے گزرے اور وہ اس کے لئے لے۔ ایک دن ماموں کے گھر رہ کر وہ رات کو دیر سے گھر لوٹ رہا تھا کہ کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ ان سے بچنے کو تیز تیز چلا تو وہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔ تبھی بوکھلا کر وہ راستے کے بیچ پڑی ماسی صوبی کی چار پائی سے ٹکرا گیا۔ ماسی شاید اس وقت غنودگی کے عالم میں تھی، اچانک چار پائی کو دھکا لگا تو بوکھلا کر چیخ ماری اور سلیم کا گریبان پکڑ لیا۔ وہ بے چارا خود کو چھڑاتے ہوئے چار پائی پر جا گرا۔ ماس صوبی نے ایسا ہنگامہ کیا کہ ساتھ والے گھروں سے مرد نکل آئے سبھی نے یک زبان بوکر پوچھا۔ کیا ہوا۔ اس نے فریاد کی کہ اس سلیم کو حوالہ پولیس کرو شاید کہ اس نے میری بیٹی سے چوری چبھے ملاقات کا پروگرام بنایا ہوگا، تبھی یہ میری چار پائی سے ٹکرا گیا اور مجھ پر گر گیا۔ سلیم نے لاکھ کہا کہ اس کو کتوں نے بوکھلا دیا تھا، اندھیرے میں چار پائی دکھائی نہ دی۔ تبھی ٹکرا گیا تھا کتوں کے بھونکنے کی آواز تو پڑوسیوں نے بھی سن لی تھی تبھی ان میں سے ایک نے کہا، سلیم سے تو ہم نمٹ لیتے

بابر نکل کر سونے کاہیں تم یہ بتاؤ کہ رات کے وقت تم نے کیوں دروازے سے باہر چار پائی بچھا رکھی تھی۔ گھر سے کیا مطلب تھا؟ میں اپنے گھر کی حفاظت اور نگرانی کر رہی تھی، شوہر اور بیٹے گھر پر نہ ہوں اور حالات مشکوک ہو جائیں تو کیا کرنا چاہیے۔ آپ خود سوچیں گھر میں اکیلی جوان بیٹی ہے اور سلیم نے جیسے میرا گھر تاک رکھا تھا۔ ایک پڑوسی سیانہ تھا اس نے عورت کو سمجھایا کہ تم غلط طریقے پر چل رہی ہو یہ گزرگاہ ہے ادھر کسی عورت کا چار پائی ڈال کر سونا بری بات ہے، بے شک دروازہ اپنا ہی کیوں نہ بولیں ہم کو اعتراض ہے تم اُنڈھ یہاں مت سونا۔ بات بڑھانے کی بجائے ان لوگوں نے سلیم کو کہا کہ تم اُنڈھ عشاء کے بعد ادھر سے مت گزرنا ورنہ ہم تم کو مجرم سمجھ لیں گے اور پھر جانتے ہو اس لا پرواہی کا انجام۔ میرا بھائی ہے چارہ جان بچا کر بھاگا کہ وہ سخت مشکل میں گھر گیا تھا۔ بنا کسی قصور کے ایک بڑی سزا اس کے لئے تیار تھی۔ لوگ انجام سے بے پروا بس جسکے میں اکثر ایسی الٹی سیدھی باتیں کر جاتے ہیں جو کسی شخص کو موت کی وادی کی طرف بھی لے جاتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہونے والا تھا۔ کیونکہ جب ماسی صوبی کے بیٹے اور شوہر گھر لوٹے، تو کچھ بد خوابوں نے بے پر کی اڑا دی۔ معاملہ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ پڑوسی فساد کے خوف سے چپ تھے کیونکہ انہوں نے سلیم کو کسی لڑکی سے بات کرتے نہ دیکھا البتہ ماسی صوبی اور چار پائی والا معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ ماسی کے شوہر نے باز پرس کی تو اس نے سچ بات بتادی کہ گھر کی حفاظت کے خیال سے چار پائی باہر بچھائی تھی۔ سلیم کو رات کے اندھیرے میں دکھائی نہ دی وہ تھوکر کھا کر اوندھے منہ چار پائی پر گر گیا تو میں نے ڈر کر شور مچا دیا۔ شوہر نے آنکھیں نکال کر کہا سلیم اتنی رات گئے ادھر کیوں آیا تھا۔ وہ گھر سے ادھر نہیں آیا تھا۔ بلکہ ماموں کے گاؤں سے گھر جا رہا تھا کہ کھیتوں کے کتوں نے اس کو ہراساں کیا۔ بھاگتے ہوئے ٹھوکر لگ گئی۔ بیوی کے بیان کا یقین کرتے ہوئے اس کا خاوند تو چپ ہو گیا مگر گاؤں میں چار پائی سے ٹھوکر ایک کہانی بن گئی کچھ بد زبانوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ سلیم ماسی صوبی کی عزت خراب کرنے اس کی چار پائی پر جان بوجھ کر گرا تھا۔ کسی کے منہ پر کون ہاتھ رکھ سکتا ہے۔ حالانکہ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ سلیم اپنی ماں جیسی عمر والی عورت کے ساتھ بد نیتی کا سوچے گا۔ ان حالات کی وجہ سے ابا مجبور ہو گئے کہ وہ اپنے اس گاؤں کو خیر باد کہیں جہاں ان کے ابا واجداد کی قبریں تھیں۔ میرے والد یہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے اولاد والے ہو گئے تھے۔ ہم لوگوں بھی اسی جگہ پیدا ہوئے تھے، ہم کو اپنے گاؤں سے بہت محبت تھی لیکن مجبوری تھی، گاؤں نہ چھوڑتے تو کل جانے کیا ہو جاتا کیونکہ گاؤں میں اگر ایک بار کسی کی عزت خراب ہو جائے تو پھر لوگ اس کو مشکوک جان لیتے ہیں اور اس پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہمارا گھر بار چھوٹا، کھیت کھلیان اونے پونے ابا نے بیچ دیئے، پھر ہم وہاں سے کوچ کر کے ماموں والے گاؤں میں جا کر آباد ہو گئے۔ جس روز ہم جارہے تھے صبور اپنے دروازے میں کھڑی جھانک رہی تھی، وہ بڑی حسرت اور دکھ سے ہمیں جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس وقت بھائی کے چہرے پر بھی افسردگی تھی۔ کاش صبور بی بی کو عقل ہوتی تو ہم کو اپنا گاؤں نہ چھوڑنا پڑتا۔ دل کی لگی ہے ہی ایسی چیز کہ اس میں عقل جاتی رہتی ہے۔ آج بھی اپنے گاؤں کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور اپنا گھر بار یاد آتا ہے تو دل کو ٹھیس ہی لگتی ہے، ایک ہم جولی سے سنا تھا کہ صبور نے شادی نہیں کی۔ گھر والے مار کر پیار سے ہر طرح سے اسے سمجھا کر دیکھ چکے ہیں لیکن وہ ابھی تک میرے بھائی کی یاد میں جی رہی ہے۔ سلیم واپس دہلی چلا گیا وقت کے ساتھ مزید ترقی کی وہیں شادی بھی ہو گئی اور امی ابو کو بلا لیا ہے۔ میری شادی کر کے اب سب ایسے وطن سے دور گئے ہیں کی شائد ہی لوٹ کر آئیں۔ زندگی ایسا پلٹا کھانے کی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔“]